ڈاکٹر فاخرہ نورین
شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن، ڈھوک منگٹال، راولپنڈی

ڈرامے کے ترجمے کی مشکلات

Dr Fakhra Naureen

Urdu Department, Govt. College for Women Dhok Mangtal, Rawalpindi.

Difficulties of Translating Dramatic Text

Drama as a genre of literature is different from other genres of fiction. Translator of dramatic text has to deal with many linguistic and stylistic problems. Objective of translating drama also defines translation methodology and techniques. Audience and norms of targeted society are important factors to affect process of translation. These problems demand an ever vigilant mind and artistic craftsmanship from translator. The article focuses on analysis of translation of drama as a literary text.

ڈرامہ انگریزی ادب کی ایک مضبوط ادبی روایت کا ایک ستون ہے۔ مغربی ڈرامے کی ابتدا یونان سے ہوتی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ مغربی ڈرامے کے شاہکار مغربی شاعری کے بھی اعلیٰ نمونے قرار دیے جاتے ہیں۔ انگریزی ہو یا دیگر مغربی زبانیں، ڈرامہ شاعری ہی میں لکھا جاتا تھا۔ اردو کے ابتدائی ڈرامے اندر سبھا وغیرہ بھی شاعری ہی میں ہیں۔ مگر ڈرامہ محض منظوم ہونے کی بناء پر شاعری کی صنف نہیں قرار دیا جا سکتا، اس کا کہانی پن اور اس کے اندر موجود کہانی کا عنصر اس کو افسانوی ادب کا حصہ قرار دیتا ہے۔ لہٰذا زیرِ نظر مضمون میں ڈرامے کے ترجمے پر بحث افسانوی ادب کے ذیل میں کی جائے گی۔ کہانی پن کی بنیاد پر ڈرامے کو شاعری کے بجائے افسانوی ادب کا حصہ قرار دینے کی مہمیز ڈاکٹر وقار عظیم کی کتاب سے بھی ملتی ہے۔ جس میں اردو مثنویوں کو انھوں نے ''اردو کی منظوم داستانیں'' قرار دیا ہے۔ لہٰذا اسی دلیل کو بنیاد بنا کر یہ کہنا بے جا نہیں کہ ڈراما افسانوی ادب کا ایک اہم حصہ ہے اگرچہ اردو ڈرامے کی روایت اتنی مستحکم نہیں ہے مگر انگریزی ادب کے دیو قامت ادباء ڈرامہ نگار ہیں۔ ڈرامہ عام آدمی کے ادبی لگاؤ اور کسی بھی عہد میں عوام الناس کے ذوق کی تربیت کے علاوہ تفریح کا اہم ذریعہ ہے۔ ڈرامے کی اس اہمیت کے پیشِ نظر جب ڈرامائی متن کے ترجمے کے اصولی مباحث کو دیکھا جائے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس ضمن میں تو نثری متن کے ترجمے سے بھی کم مباحث ہیں اور عموماً اگر کسی نے اس پر خامہ فرسائی کی بھی ہے تو اسے عموماً نثر کے ترجمے کے مماثل ہی قرار دے کر بحث ختم کر دی گئی ہے۔ حالانکہ ڈرامائی متن کا ترجمہ دیگر افسانوی و نثری متن کے ترجمے سے قطعی مختلف ہوتا ہے۔

ناول اور افسانہ یا نظم دراصل قاری کی انفرادی قرأت اور تفہیم سے متعلق ہوتے ہیں جبکہ ڈرامے کا متن قرأت کے لیے

نہیں بلکہ سٹیج پر کھیلنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔(A drama is meant to be staged) ڈراما نگار جب متن کی تحریر شروع کرتا ہے تو اس کے ذہن میں قارئین کے بجائے حاضرین وسامعین ہوتے ہیں۔یعنی فوری اور براہِ راست ابلاغ کا تصور ڈرامے کے متن سے وابستہ ہوتا ہے۔لہٰذا ڈرامائی متن کا مترجم جب کسی ڈرامے کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سامنے بھی پہلی ضروری شرط ڈرامے کا سٹیج پر کھیلا جانا ہوتی ہے۔وہ ترجمے کو اس براہِ راست پرفارمنس کے لازمی تصور کے ساتھ ہی ترجمہ کرسکتا ہے۔یہ تصور ترجمے کے اس عمل کا لازمہ ہوتا ہے کہ متن تحریری شکل میں موجود تو ضرور ہے مگر یہ نامکمل ہے کیونکہ اس کے ساتھ اگرچہ ہدایت کار کے لیے ہدایات لکھی ہوتی ہیں مگر ان ہدایات سے ہٹ کر بہت سے صوتی اور نظری تاثرات اور ارادے بھی بین السطور اور تحت السطوری سطح پر ہوتے ہیں اور مترجم جب تک ان سب کو نہ سمجھے تب تک ترجمہ ممکن نہیں ہے۔

ڈرامائی متن کے ترجمے میں سب سے پہلا مسئلہ جو درپیش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا ترجمہ لفظی (literal) یعنی مصنف سے مکمل وفاداری کے ساتھ کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ڈرامہ کسی افسانوی متن کی طرح محض مصنف کا احیاء نہیں ہے۔ ڈرامے کا تعلق حاضرین کے ساتھ ہونا ترجمے کی حکمتِ عملی کے تعین میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ڈرامے کے ترجمے کے دو طرح کے مقاصد ہیں یعنی ایک تو انفرادی ڈرامائی متن کو سٹیج پر کھیلے جانے کے لیے ترجمہ کرنا اور دوسرا کسی ایک ڈراما نگار کے تمام یا ایک سے زیادہ ڈراموں کو ترجمہ کرنا جس کا مقصد ظاہر ہے کہ مصنف کو اپنی زبان میں متعارف کرانا ہے۔ان دونوں مقاصد کے تحت ترجمہ کرنے کی حکمتِ عملی میں بھی فرق ہوتا ہے پہلی صورت میں متن کا پرفارمنس سے تعلق جبکہ دوسری صورت متن کا قابلِ قرأت ہونا مدنظر رکھا جائے گا۔ڈرامائی متن کے ترجمے کی وہ صورت جس میں اس کا عملی پہلو مدنظر رکھا جائے گا ہی دراصل اس وقت پیشِ نظر ہے اور اس کا اہم مسئلہ حاضرین، معاصر سٹیج اور اس عہد کے عوامی مذاق کا خیال رکھنا ہے۔انگریزی میں اس کی مثال شیکسپیئر اور اردو میں آغا حشر کے ڈراموں سے دی جاسکتی ہے۔شیکسپیئر کے ڈراموں کی زبان، حسِ مزاح، کردار نگاری، ان کے لباس اور دیگر لوازمات کو موجودہ عہد کے سامع یا ناظر کے لیے کس طرح دلچسپی کا حامل بنایا جاسکتا ہے؟ تہذیبی، زمینی اور زمانی فاصلوں کی بنیاد پر اگر جائزہ لیا جائے تو اردو کے ناظرین کے لیے شیکسپیئر کس طرح قابلِ فہم اور دلچسپی کا حامل ہوگا؟ اس کے لیے ڈرامے کے ترجمے میں سوسن بیسنٹ نے جس تکنیک کی حمایت کی ہے وہ اخذ کرنے کا فن (adeptation) ہے۔وہ ڈرامائی متن کے ترجمے کو لاحق مسائل پر بحث کرتے ہوئے اس مسئلے کو بھی زیرِ بحث لاتی ہیں۔[1]

(adeptation) کی ایک مثال شیکسپیئر کے اوتھیلو کی ہندوستانی فلم اومکارا ہے جس کو ہندوستانی کرداروں اور ہندوستان کی سرزمین میں بویا گیا ہے۔ان کرداروں کے نام، لباس اور رہن سہن میں ہندوستان کی بو باس ہے اور یوں وہ اردو بولنے والے ناظرین کے لیے زیادہ قابلِ قبول، قابلِ فہم اور ان کے احساس سے زیادہ قریب ہیں۔

ڈرامے کے اہم تشکیلی اجزاء میں مکالمے سرفہرست ہیں۔چونکہ ڈراما نگار ناول نگاری کی طرح بیانیے کی شکل میں حاضرین وناظرین کو آگاہ نہیں کرسکتا نہ ہی اسے کسی بھی طرح سامنے آنے کی اجازت ہوتی ہے۔وہ محض مکالموں کی بنیاد پر اپنے فن یا منشاء کا اظہار کرسکتا ہے۔لہٰذا مکالمے کا ترجمہ درست طور پر ہونا نہایت ضروری ہے۔مگر ڈرامہ چونکہ (پچوئیشن) مختلف صورت حالات کے منطقی ربط کا حامل مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی مکالمے کو لفظی طور پر ترجمہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔کیونکہ مکالمہ کسی صورتِ حال میں اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اس کی بنیاد پر صورتِ حال یا تو واضح ہوجاتی ہے اور یا اس میں ابہام پیدا ہوجاتا ہے۔مزید

برآں مکالمے کے ترجمے میں آواز کا وہ آہنگ، صوتی تاثر اور آواز کے کم یا زیادہ ہونے کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ یسنسٹ پیٹر بوگیتریو (Bogatyrev) کا حوالہ دیتے ہوئے ان کے 'Les signes du thatre'. Poetique viii مطبوعہ ۱۹۷۱ سے اقتباس نقل کرتی ہیں۔

> تھیٹر میں لسانیاتی اظہار علامات کی ایک ساخت ہوتی ہے جو نہ صرف محضر کی علامات بلکہ دوسری علامات پر مشتمل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر تھیٹر محضر جسے کردار کی سماجی صورت حال کی علامت ہونا چاہیے۔ فنکار کسی جسمانی حرکات کے ہمراہ اور اس کے لباس اور منظر وغیرہ سے مکمل ہوتا ہے جو سب کسی سماجی صورت حال کی یکساں اہم علامات ہوتی ہیں۔۲

لہٰذا ان تمام چیزوں کو ترجمہ کرتے ہوئے ذہن نشین رکھنا پڑتا ہے۔ ان مسائل سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے یا تو ترجمہ اتنا لفظی ہو جاتا ہے کہ اسے سٹیج پر کھیلا جانا ممکن نہیں ہوتا اور یا پھر اتنا آزاد اور تخلیقی کہ اصل متن سے کہیں دور جا پڑتا ہے۔ دراصل متن کی حیثیت تھیٹر میں محض ایک جزو کی ہے جو اپنی تکمیل کے لیے سٹیج، کردار، پس منظر و پیش منظر، حاضرین وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تھیٹریکل متن کی زبان کی ایک اپنی آواز ہوتی ہے کیونکہ الفاظ آوازوں کے لیے لکھے جاتے ہیں اور اسی لیے متن کو پڑھنے سے زیادہ مترجم کے لیے اس کو سننا ضروری ہے۔ جو مترجم متن میں ملفوف ان پیرالسانیاتی نظاموں کو نہ سمجھ پائے، وہ ترجمہ کرنے میں کتنا کامیاب ہوگا اس سلسلے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

ڈرامے کے ترجمے میں اردو میں سب سے اہم پیش رفت شیکسپیئر کے ڈراموں کے تراجم کی صورت میں ہوئی ہے۔ شیکسپیئر انگریزی ادب کا وہ مؤثر و معتبر ادیب ہے جس کو ترجمہ کرنے کے لیے ان تمام اسلوبیاتی و لسانی باریکیوں کے ساتھ ساتھ فنی و تاریخی شعور کے حامل مترجم درکار ہیں۔ اس کے شہرہ آفاق المیوں کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجمین نے بعض انحرافات کیے جو لفظ اور جملہ دونوں کی سطح پر ہیں۔ بعض اوقات ترجمے میں جملے حذف کر دیے گئے چاہے ان کے پس پردہ اخلاقی محرکات ہوں یا ادبی مگر مجموعی طور پر مترجمین نے پوری کوشش کی ہے کہ وہ شیکسپیئر کا خیال اور فن دونوں کی منتقلی اردو ترجمے میں کر سکیں۔

شیکسپیئر کے المیے اشرافیہ یا شاہی خاندان کے المیے ہیں، لہٰذا ان کی زبان و بیان میں مجموعی طور پر وہ کروفر اور دبدبہ پایا جاتا ہے جو اردو میں اردوئے معلّٰی کے مماثل ہے۔ ترجمے میں اس سنجیدگی، وقار اور طنطنے کو برقرار رکھنے کی چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

Who can be wise, amazed, temperate and furious,

Loyal and neutral in a moment? No man.

The expedition of my voilent love

Outrane the pauser, reason. Here lay Duncan,

His silver skin laced with his golden blood,

And his gashed stabs looked like a breach nature.

For ruin's wasteful entrance, there the murdere,

Stepped in the colours of their trade, their eggers

Unmannerly breached with gore. Who could refrain, that had a

heart to love and in the heart courage to make's love known?

ترجمہ: کوئی شخص ذی ہوش، وحشت زدہ، معتدل، مشتعل، وفادار اور لاتعلق بیک وقت نہیں ہوسکتا۔ نہیں کوئی شخص ایسا نہیں ہوسکتا۔ بادشاہ کے لیے میری شدید محبت، میری تعقل کی رفتار پر غالب آئی اور یوں تلوار کو روک نہ پائی۔ میں نے شاہ ڈنکن کو قیمتی ترین لباس یعنی شاہی خون میں ملبوس پڑے پایا تھا۔ اس کے منہ کھلے زخم فطرت میں پڑے شگافوں کی طرح تھے جو فتنوں کو حشر برپا کرنے کی دعوت دے رہے تھے اور وہیں میں نے قاتلوں کو دیکھا جن پر خون کے دھبے تھے اور جن کے دستوں تک خون میں لتھڑے خنجر پاس پڑے تھے۔ کسی شخص کو جو محبت سے معمور قلب اور محبت کا ثبوت دینے کا حوصلہ بھی رکھتا ہو، اپنی وفاداری کے اظہار سے کیسے روکا جاسکتا ہے۔۳

کنگ لیئر سے اسی طرز کا ایک مکالمہ جو کنگ لیئر نے ادا کیا، کا ترجمہ درج ذیل ہے:

Lear! No second? All myself?

why, this would made a man, a man of salt,

To use his eyes for garden water - pots

I will die bravely, like a smug bride groom what,

I will be jovial

ترجمہ: میں تنہا لڑوں گا، میرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اکیلا تیغ آزمائی کروں گا۔ یہ رونا تو ایسا ہے کہ انسان نمک کا ڈلا بن جائے۔ کہیں آنکھوں سے باغ کے پودوں کو پانی دیا جاسکتا ہے؟ میں تو بڑی بہادری سے لڑوں گا جیسے کوئی بنا سنورا دولھا لڑے اب میں خوش رہونگا۔۴

ترجمہ کرتے ہوئے جملوں اور اجزائے جملہ کو اپنی سمجھ بوجھ یا مرضی کے مطابق توڑ مروڑ کر آسان اور قابل تفہیم مکالمہ بنانا بھی اردو کے مترجمین کی ایک تکنیک رہی ہے۔ شیکسپیئر کے ہاں جملے کے ایک حصے کو مرکب توضیحی کی مدد سے مجمل اور جامع بنا کر معنی خیزی پیدا کرنے کا فن ملتا ہے۔ اردو کا مترجم اگر تو اس کے متبادل اور مماثل مرکب تلاش کرنے یا مرکب سازی میں کامیاب ہوجائے تو درست، ورنہ وہ مرکب کو اپنی سمجھ کے مطابق جملے میں تبدیل کر کے آگے بڑھنے کی عادت میں بھی مبتلا نظر آتا ہے۔ ارشد رازی اور عنایت اللہ دہلوی شیکسپیئر کے معروف مترجم ہیں دونوں کے تراجم سے اس روش کی مثال دی جاسکتی ہے۔

اوتھیلو، شیکسپیئر کا مشہور عالم المیہ ہے۔ اس کے پہلے ایکٹ کے پہلے منظر ہی میں عنایت اللہ دہلوی نے مذکورہ روش اپنائی ہے۔ ایاگو جو روڈریگو کو میکائل کاسیو کے بطور نائب انتخاب سے متعلق بناتا ہے تو اس کا تعارف یوں کراتا ہے:

Forsooth, a great arithmetician,

One Michael Cassion, a Florentine,

A fellow almost damned in a fair wife

ترجمہ: وہ ایک فلارنس کا باشندہ ہے۔ میکائل کاسیو اس کا نام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پڑھا لکھا بہت ہے، جورو بھی بڑی حسین کرنے والا ہے جو کوئی دن جاتا ہے کہ اس پر بری طرح آفتیں توڑے گی۔ ۵

یہاں دیگر باتوں سے قطع نظر یہ ذکر ضروری ہے کہ ڈرامہ نگار نے ایسا کوئی اشارہ نہیں کیا جس سے یہ معلوم ہو کہ حسین جو روکاسیو کے لیے آفت بننے والی ہے مگر چونکہ مترجم کو باقی ڈرامہ پڑھنے کے بعد علم ہو چکا تھا کہ کاسیو ابھی ایک حسینہ پر فریفتہ ہے اور اس کی بدولت آفتوں کا سامنا کرن والا ہے لہٰذا اس نے اس علم کو بھی ترجمے میں سمو دیا۔ اس روش کی دوسری مثال ارشد رازی کے ترجمے سے پیش ہے:

The multiplying villainies of nature

Do swarm upon him - from the western

Isles o Kerns and galloglasses is supplied,

and fortune on his damned quarry smiling showed like a rebel's

whore

ترجمہ: اس کی بدسرشت اس کے دل و دماغ پر زیادہ شدت سے حاوی ہو رہی ہے۔ جزائر غربی یعنی ہیبرانڈز سے پیادوں اور غرقِ آہن گھڑ سواروں کی کمک نے اسے مزید تقویت دی ہے۔ قسمت اس کے فعلِ قبیح یعنی بغاوت پر مسکرائی لیکن ایک بیسوا کی طرح جس نے آغازِ دلربائی میں اپنے گاہک کو نوازا ہو۔ ۶

میکبتھ ہی سے ایک اور مثال ملاحظہ ہو جس میں مترجم نے ایک ترکیب اور حوالے کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے علم کا مظاہرہ کیا ہے۔

Alarumed by his sentinel the wolf,

Whose howl's his watch, thus with his stealthy pace, with tarquin's

ravishing

Strides, towards his design

moves like a ghost.

ترجمہ: بھیڑیا کہ ایک پہریدار کی طرح چیختا رات کے گزرنے کا احساس دلا رہا ہے۔ خوف سے لرزاں قاتل کو آمادہ عمل کرتا ہے وہ لکریشیا کی عصمت کے درپے ٹارکن کی گربہ پائی سے چلتا بستر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ۷

مذکور الصدر مکالمے میں ٹارکن کی بلا آہٹ چال کا ذکر تو ہے مگر لکریشیا کی عصمت کے درپے ہونے کی وضاحت مترجم کی طرف سے ہے۔

شیکسپیئر کے جملے اپنی کساوٹ اور چستی کے لیے مشہور ہیں ان میں ترکیب در ترکیب، حوالہ در حوالہ ایک شکوہ ہے۔ مترجمین نے اس کے بعض جملوں بلکہ پورے پورے مکالموں کا ترجمہ کرتے ہوئے وہ چستی اور کساوٹ جو ان کا حسن تھی، کو ڈھیلے ڈھالے توضیحی جملوں میں بدل کر عام مکالمے بنا دیا ہے۔ حالاں کہ تھوڑی سی محنت اور کر کے ان کو انگریزی جملے کی طرح ضرب المثل کی حد تک چست بنایا جا سکتا تھا۔ یہ تبدیلی بے شک قارئین کی فہم کے مطابق اور ڈرامے کو ہر سطح کے قاری یا ناظر کے لیے قابلِ فہم بنانے کی کوشش ہوگی مگر یہ شیکسپیئر کے ان چست مکالموں کی موت کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر میکبتھ کے وہ مکالمے جو وہ لیڈی میکبتھ کی موت کی خبر سن کر ادا کرتا ہے۔ ضرب المثل کی حد تک جامع اور چست جملوں کی صورت میں ہیں مگر ترجمے میں موجود ڈھیلا پن اس تاثر کو زائل کر دیتا ہے جو انگریزی مکالمے سے پیدا ہوتا ہے۔

And all our yesterdays have lighted fools

the way to dusty death. Out, out brief candle.

Life is but a walking shadow, a poor player

That struts and frets his hour upon the stage,

And then is heard no more, It is a tale

Told by an idiot, full of sound and fury,

Signifying nothing

ترجمہ: پتہ چلتا ہے کہ قبل ازیں گزرنے والے تمام دن کم اندیشوں کو صرف ان کی قبروں تک لے جانے کا ایک ذریعہ تھے اس لیے کہ موت مٹی کو مٹی میں ملا دینے کا نام ہے۔ زندگی کا شعلہ وقت معینہ تک لو دے کر بجھ جاتا ہے۔ زندگی ایک سایہ ہے جو انسان کے ساتھ قلیل عرصہ تک رہتا ہے۔ زندگی ایک قابلِ رحم اداکار کی سی ہے جو خود اہمیتی کا احساس لیے سٹیج پر کچھ دیر کو محزون و رنجور چلتا ہے اور اپنا کردار ادا کرنے کے بعد غائب ہو جاتا ہے اور ناظرین کو پھر کبھی نظر نہیں آتا۔ زندگی ایک کہانی کی سی ہے جسے ایک احمق سناتا اور اسے نام دیتا ہے، ایک ایسی کہانی جو سنسنی خیز واقعات اور متلاطم جذبات سے بھرپور ہے لیکن ہر طرح کی معنویت سے خالی ہے۔۸

اس کی دوسری مثال اوتھیلو کی ہے جس میں ایاگو اوتھیلو کے دل میں اس کی بیوی دیسد یمونہ کی طرف سے شک پیدا کر رہا ہے اور دیسد یمونہ کی پاک اور معصوم فطرت کے پیچھے کارفرما اس کی ہوس اور دھوکا دہی کو بیان کر رہا ہوتا ہے۔

Good name in man and woman, dear my Lord,

Is the immediate jewel of their soul.

Who steals my purse steals trash; tis someting, nothing;

It was mine, tis his, and has been slave to thousands.

But he that fliches from me my good name

Robs me of that which not enriches him

And makes me poor indeed.

ترجمہ: حضور مرد ہو یا عورت، نیک کرداری اس کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر ہوتا ہے۔ جو شخص میری جیب کاٹتا ہے وہ روپیہ چراتا ہے۔ روپیہ بھی ایک چیز ہے مگر حقیقت میں کوئی چیز نہیں۔ ایک وقت میں میرا تھا اب دوسرے کا ہو گیا اور یہی چیز ہزاروں کے ہاتھ میں رہ چکی ہے اور ہزاروں کے پاس رہے گی لیکن جو شخص مجھ سے میری نیک نامی چھینتا ہے وہ مجھے ایک ایسی دولت سے محروم کرتا ہے جو اس کے حق میں دولت نہیں ہو سکتی۔ ایسا شخص واقعی مجھے مفلس کر دیتا ہے۔''۹

آخر میں ترجمے کی ایک اور مثال درج کی جاتی ہے جس کے متعلق پروفیسر سجاد حیدر ملک نے تعارف میں کچھ یوں لکھا ہے:

''ذیشان نے ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے جولیس سینزر کا ترجمہ اردو زبان میں کیا ہے اور.....ایسی روانی اور سلاست سے ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ کا گمان نہیں گزرتا، انھوں نے انگریزی زبان پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر اردو زبان کو اپنے اعتماد میں لے کر.....انھوں نے موجودہ دور کی زبان سے کام لیا ہے.....انھوں نے اردو زبان پر اعتماد کرتے ہوئے شیکسپیئر کے ایک اہم تاریخی ڈرامے کو اردو میں ڈھالا ہے اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ داد ہے کہ ذیشان ملک ترجمہ کرتے ہوئے ولیم شیکسپیئر کی زبان کے رعب میں نہیں آئے بلکہ گھن گرج دار زبان کی بجائے انھوں نے اپنے ترجمہ میں ایک سیدھا سادا پیرایۂ اختیار کیا ہے جس میں روزمرہ کے علاوہ زبان کی سادگی اور مٹھاس دونوں در آتے ہیں۔ یہ ان کا بڑا کمال ہے کہ انھوں نے آسان زبان استعمال کرتے ہوئے اپنے قاری کے لیے ولیم شیکسپیئر کے تاریخی اور المناک ڈرامے کو سب کے لیے قابلِ فہم بنا دیا ہے۔۶۶

اگرچہ رواں اور سلیس ہونا ترجمے کی کامیابی اور معیار کی ضمانت نہیں ہے مگر جولیس سینزر کے مذکور الصدر ترجمے کو اس لحاظ سے کامیاب اور معیاری قرار دیا جا سکتا ہے کہ ذیشان احمد ملک نے ڈرامے کو موجودہ دور کی زبان میں ترجمہ کیا جو خورد و کلاں کی سمجھ میں آ سکتی ہے اور اس خوبی کے باوجود محاورے اور لسانی قواعد سے ہٹی ہوئی اور عامیانہ زبان نہیں ہے بلکہ اپنی تمام تر لسانی خوبیوں کے ساتھ وہی المیاتی تاثر اردو میں بھی پیدا کرنے میں کامیاب رہتی ہے۔ اس کے ثبوت کے طور پر ڈرامے کو کہیں سے بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

I only speak right on.

I tell you that which you yourselves do know,

Show you sweat ceaser's wounds, poor, poor dumb mouths

And bid them speak for me. But were I Brutus,

And Brutus Antony, there were an Antony,

Would reffle up your spirits, and put a tongue

In every wound of Ceaser, that should move

The stones of Rome, to rise and mutiny.

ترجمہ: میں تو صرف سچ بولتا ہوں۔ میں نے آپ لوگوں کو وہی بتایا ہے جو آپ پہلے ہی جانتے تھے۔ میں نے آپ کو پیارے سینزر کے زخم دکھائے ہیں جو چیخ چیخ کر اپنا حال مجھ سے بہتر بیان کر سکتے ہیں۔ اگر میرے پاس بروٹس جیسی خوبیاں ہوتیں تو میں آپ کو اشتعال دلا دیتا اور سینزر کے ایک ایک زخم کو بولنے پر مجبور کر کے روم کے چپے چپے پر غم و غصے کی لہر دوڑا دیتا۔۱۰

ایک اور مثال جو بروٹس کے مکالمے کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

There is a tide in the affairs of men,

Which taken at the flood, leads on to fortune.

Omitted, all the voyage of their life

Is bound in shallows, and in miseries.

On such a full sea are when we afloat

And we must take the current when it serves,

Or lose our ventures.

ترجمہ: لوگوں کی زندگیوں کے سمندر میں کبھی نہ کبھی ایک ایسی لہر اٹھتی ہے جو انھیں دھکیل کر کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن جو اس سنہری موقعہ کو کھو دیتا ہے اس کے نصیب میں صرف پچھتانا رہ جاتا ہے۔ ہماری زندگی کے سمندر میں بھی وہ لہر اٹھی ہوئی ہے لیکن اگر ہم اس سے مستفید نہیں ہوتے تو پچھتاوا ہمارا بھی مقدر ہو گا۔۱۱

لہٰذا ڈرامے کے ترجمے میں اخذ کرنے کا جوفن ہلیئر بیلوک نے تجویز کیا وہ یہاں پر لفظ بہ لفظ ترجمے میں بھی نظر آتا ہے جس میں مترجم نے مصنف کو لوگوں کے قریب لانے کی بھرپور کوشش کے ساتھ ساتھ اسے اپنی سطح پر فائز رہنے میں بھی مدد کی ہے۔

ڈرامے کے ترجمے کے ضمن میں یہ چند مسائل اور مثالیں تھیں جن سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ڈرامے کا ترجمہ بھی افسانوی ادب کے ترجمے کی طرح آسان نہیں بلکہ اس سے بھی مشکل ہے کیونکہ مکالموں پر ہی اس کی کامیابی کا دارومدار ہوتا ہے اور ان کا ترجمہ مناسب طور پر نہ ہو سکنے سے ڈرامہ اور ڈرامہ نگار دونوں ہی قارئین اور ناظرین سے اوجھل رہتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ Bassnett Susan "Translations Studies" page 119-131

۲۔ Bassnett Page121

اصل متن یہ ہے:

"Linguistic expression in theatre is a structure of signs constituted not only as discourse signs, but also as other signs. For example, theatre discourse, that must be the sign of a character's social situation is accompanied by the actor's gestures, finished off by his costumes, the scenery, etc. Which are all equally signs of a social situation" 121

۳۔ ارشد رازی (مترجم) میکبتھ، ولیم شیکسپیئر، اظہار سنز، لاہور، ص ۹۱۔۹۰

۴۔ عنایت اللہ دہلوی (مترجم)، کنگ لیئر، ولیم شیکسپیئر، اظہار سنز، لاہور، ص ۲۴۳۔۲۴۲

۵۔ عنایت اللہ دہلوی (مترجم) اوتھیلو، ولیم شیکسپیئر، اظہار سنز، ص ۲۰

۶۔ ارشد رازی (مترجم)، میکبتھ، ص ۳۰

۷۔ ایضاً، ص ۴۷

۸۔ ایضاً، ص ۱۹۸

۹۔ عنایت اللہ دہلوی، مترجم، اوتھیلو، ص ۱۵۲

۱۰۔ سجاد حیدر ملک، تعارف، جولیس سینزر مترجم ذیشان احمد ملک، اظہار سنز، ص ۲۵۔۳

۱۱۔ ذیشان احمد ملک (مترجم)، جولیس سینزر، اظہار سنز، ص ۱۴۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۸۰